جائے، بلکہ اِسے خدائی نشان قرار دیا جائے۔ ایک تہذیبی نشان جس سے ہمیں اِس طرح عہدہ برآ ہونا ہے کہ مساوات اور فرق ساتھ ساتھ موجود ہے۔" (دی کرسچن وائس، کراچی - ۴ فروری ۱۹۹۷ء)

متفرّق

جنوبی ہند کی مسیحی آبادی اور ذات پات

[برصغیر میں مسیحی منادوں کو سب سے زیادہ کامیابی جنوبی ہند میں ہوئی تھی اور بالخصوص نچلی ذاتوں سے تعلق رکھنے والے ہندوؤں میں۔ آج یہ لوگ صدی ڈیڑھ کے بعد کہاں کھڑے ہیں؟ رنجیتا بِسواس کے زیرِ نظر مضمون سے صورتِ حال پر کچھ روشنی پڑتی ہے جسے انگریزی سے اُردو میں منتقل کیا گیا ہے۔ مدیر]

نچلی ذاتوں سے تعلق رکھنے والے لاکھوں ہندوستانی اِس امید پر حلقۂ مسیحیت میں داخل ہوئے تھے کہ نیا مذہب اختیار کرنے سے وہ اُس سماجی حقارت سے بچ جائیں گے جو ذات پات کے ہندوانہ نظام پر مبنی ہے، مگر یہ لوگ آج نہ صرف سماجی سطح پر بلکہ خود کیتھولک چرچ کے اندر بھی امتیازی سلوک کا شکار ہیں۔

گزشتہ ہفتوں میں دِلت (بہ معنی ستم رسیدہ) مسیحیوں نے موجودہ صورتِ حال میں تبدیلی کے لیے احتجاجی مظاہروں کا اہتمام کیا ہے۔ وہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ اُنہیں شیڈولڈ ذاتوں کا درجہ دیا جائے۔ واضح رہے کہ اچھوت اور نچلی ذاتوں سے تعلق رکھنے والے لوگ جو صدیوں سے سماجی امتیاز کا شکار ہیں، اُنہیں دستوری طور پر بہت سے فوائد حاصل ہیں۔ ان فوائد میں سرکاری اداروں اور یونیورسٹیوں میں اُن کے لیے نشستوں کی تخصیص بھی شامل ہے۔ شیڈولڈ ذاتوں میں سکھ اور بدھ مت کے ماننے والے بعض طبقے بھی شامل ہیں، مگر کیتھولک مسیحیوں کو یہ درجہ حاصل نہیں، کیوں کہ کیتھولک مسیحیت نظریاتی طور پر ذات پات کو تسلیم نہیں کرتی جب کہ دِلت مسیحیوں کے مطابق، عملاً یہ سب کچھ موجود ہے اور اسی صورتِ حال نے اُنہیں سیاسی اقدام پر مجبور کیا ہے۔

مشنری سکول، جو ہندوستان کے سکولوں اور کالجوں کا ۲۰ فیصد ہیں، دِلت مسیحیوں کے ساتھ اظہار یک جہتی کے لیے ایک دن بند رہے ہیں۔ کلکتہ کی غریب بستیوں میں کام کرنے کی عالمگیر شہرت رکھنے والی نوبل انعام یافتہ مدر ٹریصہ نے بھی ایک احتجاجی جلسے میں شرکت کی، مگر بعد ازاں یہ کہتے

ہوئے وہ احتجاج کرنے والوں سے الگ ہو گئیں کہ اُنھوں نے محض ایک دعائیہ جلسے میں شرکت کی تھی، کوئی سیاسی بیان دینا اُن کا مقصد نہ تھا۔

بہت سے دِلت مسیحی کہتے ہیں کہ امتیازی سلوک تعلیم اور ملازمت کے مواقع تک ہی محدود نہیں۔ واضح رہے کہ ہندوستان کی ۲۱ ملین (دو کروڑ دس لاکھ) مسیحی آبادی میں ۱۶ ملین (ایک کروڑ ساٹھ لاکھ) دِلت ہیں اور ان کی اکثریت کیتھولک ہے۔ اُنہیں اعلیٰ ذات کے مسیحیوں سے شکایت ہے کہ وہ "احساسِ برتری" کا شکار ہیں۔ انڈین سوشل انسٹی ٹیوٹ کے "پروگرام برائے شیڈولڈ کاسٹس" کے ڈائریکٹر اور ماہرِ الہیات جناب جوس کانا نیکل (Jose Kananaikil) کا کہنا ہے کہ "اعلیٰ ذات سے تعلق رکھنے والے مسیحیوں اور اچھوتوں کے درمیان بڑی واضح خلیج ہے۔" اُن کے بقول ابھی حال تک تامل ناڈو کے چرچوں میں اعلیٰ ذات اور نچلی ذات کے مسیحیوں کے لیے الگ الگ نشستیں مخصوص تھیں۔ گوا میں ایک ہی تہوار کو الگ الگ دنوں میں منایا جاتا تھا تاکہ دونوں گروہوں کے درمیان اختلاط نہ ہو۔ "چرچ جبری محنت و مشقت، جہیز، بچپن کی شادی، حتیٰ کہ خواتین کے کردار جیسے سماجی مسائل حل کرنے میں بُری طرح ناکام ہوا ہے۔"

مختلف ذاتوں کے درمیان یہ امتیاز قبرستانوں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ تامل ناڈو میں چند دِلت مسیحیوں نے اپنے بشپوں کو شکایتاً لکھا کہ "ہمیں موت کے بعد بھی امتیازی سلوک سے معاف نہیں رکھا جاتا۔ ہمارے اور اعلیٰ ذات کے مسیحیوں کے درمیان ایک ناقابلِ تسخیر دیوار قائم ہے۔"

چرچ اس مسئلے کو تسلیم کرتا ہے۔ کیتھولک بشپوں کی کانفرنس کے ۱۹۸۹ء کے ایک سروے میں نسلی امتیاز کو "خانۂ خدا کے اندر بھی" تسلیم کیا گیا ہے۔ تین سال بعد چرچ کے ایک اعلیٰ نمائندے، آرچ بشپ جارج زُر نے کہا کہ ذات پات پر مبنی امتیاز کے خاتمے کے لیے فوری سرجری کی ضروری ہے۔ چرچ کے اِس اندازِ فکر کے باوجود "شیڈولڈ ذاتوں سے تعلق رکھنے والے مسیحیوں کی قومی رابطہ کمیٹی" (National Coordination Committee for scheduled castes Christians) جو حالیہ جدوجہد میں پیش پیش رہی ہے، کے بعض ارکان چرچ رہنماؤں کو اِس بات کا ملزم قرار دیتے ہیں کہ اُنھوں نے مسئلے کو نظر انداز کیے رکھا ہے۔

کیتھولک برادری میں صورت حال کو بدلنے کی جہاں بھی کوشش ہوئی، اس کی مخالفت میں لوگ کھڑے ہو گئے۔ جب تامل ناڈو میں ایک پادری نے اعلیٰ اور نچلی ذاتوں کے درمیان پائی جانے والی بے گانگی کو ختم کرنے کے لیے بعض دِلت مسیحیوں کو کچھ ذمہ داریاں دیں، تو چرچ آنے والوں نے اِس رویے کو مسترد کر دیا۔

کیرالہ کے سیرین چرچ سے تعلق رکھنے والے کانا نیکل نے بتایا کہ اُن کی ماں کسی دِلت مسیحی کو اپنے کھانے کی میز پر بیٹھنے کی کبھی اجازت نہ دیتی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ ہندو معاشرے میں ذات

پات کا نظام بہت پختہ ہوگیا ہے۔ لوگوں کی ذات سے اُن کے پیشے متعین ہوتے ہیں اور اسی سے اُن کی شادی بیاہ کے معاملات طے پاتے ہیں۔ نچلی ذاتوں کو آئے دن بے انصافیوں اور مظالم کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

سترہویں صدی میں مسیحی منادوں کے برصغیر آنے پر نچلی ذاتوں سے تعلق رکھنے والے بہت سے لوگوں نے مسیحیّت اختیار کرلی اور ایک ایسا مذہبی عقیدہ اپنایا جس میں تمام لوگ مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ (اسی تصورِ مساوات کے تحت رواں صدی میں نچلی ذاتوں کے متعدّد لوگوں نے بدھ مت اختیار کیا)، مگر آج جب امتیازی سلوک موجود ہے اور حصولِ مساوات کی جدّوجہد جاری ہے، ایک دِلت مسیحی کارکن نے کہا کہ "اگر ہمارے مطالبات تسلیم نہ کیے گئے تو ہم مسلمان ہوجائیں گے۔"

آندھرا پردیش کے مسیحیوں میں شیڈ ولڈ ذاتوں کے کوٹا (Quota) سے فائدہ اٹھانے کی خواہش اِس قدر شدید ہے کہ لوگ دوبارہ ہندومت اختیار کر رہے ہیں۔ کوزی ویدو (جنوبی ہند) کے ایک پادری ریورنڈ بی - راجا راؤ نے کہا کہ "اگر اس سے دِلت مسیحیوں کو روزگار اور تعلیم حاصل کرنے میں مدد ملتی ہو تو ہم اُنھیں ایسے سرٹیفکیٹ فراخ دلی سے جاری کر دیتے ہیں کہ اُنھیں کوئی بپتسمہ نہیں دیا گیا ہے۔" (روزنامہ ڈان، کراچی - ۲ جنوری ۱۹۹۶ء)

"ہمارے لیے ضروری ہے کہ اسلام کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کریں" —— امریکی خاتونِ اوّل

امریکی خاتونِ اوّل نے اپنے دورۂ جنوبی ایشیا کے بارے میں واشنگٹن (ڈی - سی) میں منعقدہ ایک تقریب میں سلائیڈز دکھاتے ہوئے اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ "ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے، اِس لیے ہمارے لیے یہ بات بے حد اہم ہے کہ ہم اسلام اور اُس کے پیروکاروں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کریں، جن کے ساتھ ہم شب و روز کام کرتے ہیں۔"

اُنھوں نے اسلام آباد میں خواتین کے ایک کالج میں اپنے اعزاز میں منعقدہ تقریب کا بطورِ خاص ذکر کیا جس میں پاکستان کے مختلف علاقوں کے رہن سہن کو نمایاں کیا گیا تھا۔ اُنھوں نے کالج کی تصویر دکھاتے ہوئے کہا کہ آپ پس منظر میں لکھا ہوا یہ جملہ تو دیکھ رہے ہوں گے کہ "ثقافت ہماری وراثت ہے۔" "دراصل اِن ممالک سے کسی قسم کے تعلقات قائم کرنے یا تجارت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم ان مختلف ممالک کی ثقافت کو بہتر طور پر سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس سے ہمیں ان کے